محمد عمر فاروق

شاہ جی اور مولانا محمد گل شیر شہید

اللہ کریم نے مجلس احرار اسلام کو ایسے عظیم المرتبت رہنماؤں اور قابل صد تحسین کارکنوں سے نوازا تھا کہ ان میں سے ہر ایک فرد اپنے مقام پر استقامت کا پہاڑ اور غیرتوں کا مرقع تھا۔ قیام ازل سے انہیں بے شمار خوبیاں ودیعت ہوئی تھیں۔ جن کی مثال دیگر جماعتوں کے رہنماؤں اور کارکنوں میں آج بھی مفقود ہے۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ مجلس احرار کی آبرو تھے۔ یا عبداللہ ملک کے الفاظ میں "شاہ جی اور احرار میں گل و بلبل کا رشتہ تھا"۔ اور اس رشتے و تعلق کو صرف موت ہی جدا کر سکی۔ شاہ جی کی سحر طراز شخصیت کا طلسم تھا کہ لوگ کھنچے چلے آتے۔ اور پہروں جمال ہمنشینی کا لطف اٹھاتے۔ شاہ جی اپنے سکندرانہ جلال اور قلندرانہ اداؤں کی بدولت اپنوں کے دلوں کی گہرائیوں میں یوں بس گئے کہ پھر کوئی دوسرا اُن کی جگہ نہ لے سکا۔ شاہ جی حسباً اور نسباً صدیوں کی امانتوں کے امین تھے۔ اور اپنی صفات عظیمہ میں قرون اولیٰ کی یادگار تھے۔ ان کے مجاہدانہ معرکوں کا اعتراف کس نے نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جب اُن کی وفات کی خبر اُن کے مرشد قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ تک پہنچی تو وہ شدت غم سے دھاڑیں مار مار کر روئے تھے۔ کیونکہ مُرشد کے آئینہ دل سے بڑھ کر کس پر مُرید باصفا کے باطن و ظاہر کے احوال منعکس ہو سکتے تھے۔

الغرض شاہ جی کو اگر مشاطۂ ازل نے اس طرح بنا سنوار کر یہاں بھیجا تھا کہ ماضیٔ مرحوم میں اُن کے حسن ظاہری اور باطنی میں اُن کا کوئی مثیل نہ تھا۔ تو قدرت کے دست فیاض نے انہیں ساتھی بھی ایسے عظیم عطاء کئے تھے جو اپنے مقام و مرتبے، علم و عمل اور مزاج و طبیعت کے اعتبار سے بھی سراپائے احرار تھے۔ میں تو یوں محسوس کرتا ہوں کہ وہ سب شاہ جی کی ذات ہی کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ چودھری افضل حقؒ ایسے رہنما سے لے کر جانباز مرزاؒ ایسے کارکن تک ہر رہنما و کارکن تمام تر احراری صفات کا مکمل آئینہ دار تھا جو سیرت رسول ﷺ ازواج و اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا عکس جمیل تھیں۔ ہر ایک کا شاہ جی سے اور شاہ جی کا ہر ایک سے اپنا ہی تعلق خاص تھا جو بس اسی کے لئے مخصوص تھا۔

مولانا محمد گل شیر شہیدؒ بھی شاہ جی سے اپنے تعلق خاطر کے لحاظ سے منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ مجلس احرار میں شمولیت سے پیشتر مولانا گل شیر شہیدؒ کے تاریخی کام کا دائرہ کار گجرات، راولپنڈی، جہلم، اٹک، چکوال، میانوالی، بھکر، خوشاب، شاہ پور، سرگودھا اور مظفر گڑھ وغیرہ کے اضلاع میں پھیلا ہوا تھا اور وہ ان علاقوں میں اپنے اثر و رسوخ کے حوالے سے جانباز مرزا کے بقول "مسلمانوں کے دلوں پر راج کرتے تھے"۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک کا زمانہ مولانا گل شیر نے اصلاح رسوم و تبلیغ اسلام، عورتوں میں پردے پر زور اور ان کے حقوق پر توجہ، ہندوؤں کے تجارت پر قبضہ کے خلاف تحریکات، مسلمان قبائل میں صلح و اتحاد، غریب مسلمان کاشتکاروں کی مالی امداد اور خاکسار تحریک کے عقائد و نظریات کی سرکوبی میں گزارا۔ اس وقت تک آپ سیاسیات ہند میں وارد نہ ہوئے تھے۔ اور

انگریز پرستوں کے پھیلائے گئے پروپیگنڈے کے تحت آپ بھی مجلس احرار کو کانگریس کی زر خرید جماعت سمجھتے تھے۔ جب کبھی ان علاقوں میں شاہ جی یا مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ وغیرہ تشریف لاتے تو آپ دوسرے ہی روز اسی مقام پر جلسہ کرتے اور احرار رہنما کی تقاریر کے اثرات کو اپنی شعلہ بیانیوں سے ختم کر کے رکھ دیتے۔ شاہ جی بھی مولانا گل شیرؒ کی اثر انگیز شخصیت کے معترف تھے اور ان کی عوام میں مقبولیت اور جادو بھری خطابت سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ یہاں تک کہ شاہ جی نے میانوالی کے ایک اجتماع میں مولانا کی عوام میں اثر پذیری کا اعتراف کر ڈالا اور سامعین سے فرمایا کہ:

"بھائی! تمہارا کیا اعتبار ہے تم توریت کے ٹیلے ہو۔ جب انگریز کے خلاف تمہارا ذہن تیار کر کے چلا جاتا ہوں تو ایک تند و تیز بگولہ آتا ہے اور تمہیں اُڑا کر لے جاتا ہے"۔

ابھی تک ان دونوں رہنماؤں کی آپس میں کہیں ملاقات نہ ہو پائی تھی کہ غلط فہمیوں کے بادل چھٹتے۔ ۱۹۳۸ء میں ہی عالمی سطح پر جنگ عظیم دوم کے آثار واضح ہو رہے تھے بڑی سیاسی جماعتیں ان اہم نوعیت کے فوجی اضلاع پر نظر جمائے بیٹھی تھیں۔ لیکن مولانا کے ہوتے ہوئے یہاں کسی سیاسی جماعت کا قیام عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ اب صرف ان کی ذات ہی امیدوں کا مرکز تھی۔ کیونکہ آپ کا وزن جس پلڑے میں جاتا وہی جماعت یہاں قدم جمانے میں کامیابی حاصل کر سکتی تھی۔ مگر آپ نے تمام جماعتوں کی دعوتوں کو یکسر مسترد کر دیا۔

حج کے ایام نزدیک آچکے تھے اور آپ اپنی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اسی اثناء میں لاہور میں شاہ جی سے آمنا سامنا ہو گیا۔ شاہ جی بڑے تپاک سے ملے۔ دونوں طرف سے محبت بھرے جذبات کا سیلاب اُمنڈ آیا۔ شاہ جی بالآخر دل کی بات زبان پر لائے اور آپ سے فرمایا کہ:

"گل شیر! میں تمہاری دینی خدمات سے کماحقہ واقف ہوں۔ تمہارا ہر دینی قدم مجھے بے حد عزیز ہے۔ ہم سب کا مقصود خدمت اسلام ہے۔ اور جب منزل ایک ہے تو یہ دوری اچھی نہیں لگتی۔ ہمارے ساتھ مل کر تم اپنی خدمات کو وسیع پیمانے پر انجام دے سکتے ہو۔ میں ایک بات کا اظہار اگر اس موقع پر کر دوں تو شاید غیر مناسب نہیں کہ اب دینِ متین کی سب سے بڑی خدمت انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جہاد کرنا ہے۔ کیونکہ اس نے ہند پر ہی تسلط نہیں جمایا بلکہ جزیرۃ العرب کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ہے اور اپنے خود کاشتہ پودے سے قادیانیت کے ذریعے دینِ مصطفیٰ ﷺ میں نقب لگائی ہے۔ متحد ہو کر ہی لٹتے ہوئے غریب الوطن دین کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ہمارا ساتھ دیں تو دشمن منہ کی کھائے گا (ان شاء اللہ)

مولانا گل شیر نے شاہ جی کی گفتگو سُن کر عرض کیا:

"حضرت! آپ کا فرمان بجا ہے۔ میں اکیلا نہیں ہوں۔ میں آیا تو باجماعت آؤں گا۔ میں نے دیگر کئی دعوتوں پر غور کیا ہے۔ نہ معلوم کیا بات ہے کہ جب سوچتا ہوں تو ذہن ساتھ نہیں دیتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ:

"گل شیر! ابھی وہ گھڑی نہیں آئی" میں کیا جانوں کہ وہ گھڑی کب آئے گی"۔

اس بات چیت کے بعد مولانا گھر واپس تشریف لے آئے۔ یہ ۱۹۳۸ء کے آخری دن تھے جنوری ۱۹۳۹ء کے اوائل میں آپ حج بیت اللہ کے لئے عازم سفر ہوگئے۔ آپ کے ہمراہ مولانا قطب الدین آف غور غشتی، مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا غلام اللہ خان اور مولانا قاضی زاہد الحسینی بھی زائرین حرمین تھے۔

مولانا نے روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ بارگاہِ ایزدی میں شہادت کی موت کے لئے دعاء کی اور اسی مقدس مقام پر رب العزت کے حضور گڑگڑا کر عرض کیا کہ:

"اے اللہ! میرا تعلق اس جماعت سے جوڑ دے جو خالص تیری رضاء اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی سربلندی کے لئے مصروف عمل ہو"۔

آپ گھر سے یہ ارادہ باندھ کر چلے تھے کہ: "روضۂ رسول ﷺ سے جواب لے کر ہی لوٹوں گا"۔ دعاء مستجاب ہوئی اور آپ وہیں زیارتِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہوئے جیسا کہ احرار میں شمولیت کے بعد ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

"مجھے احرار کے سٹیج پر دلی مسرت ہوتی ہے کہ میں یہاں آیا نہیں لایا گیا ہوں۔ مجھے لانے والا کوئی چھوٹی حیثیت کا مالک نہیں بلکہ میں سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا مامور ہوں اور فرض کی بجا آوری کو ہی اپنا فرض خیال کر کے کام میں مشغول ہوں۔ مجھے اس بات کا حکم میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت دیا جب میں اُن کی ادب گاہ کے زائر کی حیثیت سے مدینۃ النبی ﷺ میں مقیم تھا۔ رات سویا تو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور ارشاد فرمایا:

"گل شیر! اگر اسلام کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہو تو جاؤ ہندوستان میں احرارِ اسلام کے ساتھ تعاون کرو"۔ (روزنامہ "آزاد" لاہور "احرار نمبر" ۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ء ص ۳۶)

اس واقعہ کے ساتھ ہی آپ کی فکر و نظر کے زاویئے تبدیل ہو گئے۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آئے چند دن گاؤں (ملموالی ضلع اٹک) میں گزار کر دفترِ احرار لاہور میں تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ جیؒ اپنے احباب کے ہمراہ دفتر میں موجود تھے۔ آپ کی دفتر میں غیر متوقع آمد پر حیرت و تجسس اور مسرت کے ملے جُلے تاثرات کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا۔ آپ اور دفترِ احرار؟ یہ جوڑ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ مولانا نے مہرِ سکوت توڑتے ہوئے مدینۃ النبی میں پیش آنے والا واقعہ سنایا اور اپنی خدمات مجلسِ احرار کے لئے پیش کرنے کا اعلان کیا تو شاہ جی نے آپ کو سینے سے چمٹا لیا اور شاہ جی پر گریہ طاری ہو گیا۔ آپ کی احرار میں شمولیت پر بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ مولانا احرار رہنماؤں سے ملنے کے بعد اپنے علاقے میں مجالس احرار کے قیام کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔ یہ وہ دور تھا جب فرنگی کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر تھا۔ اور ان مخصوص اضلاع میں جہاں مولانا اثر و رسوخ رکھتے تھے انگریز اور اس کے حاشیہ برداروں کی عوام پر اتنی مضبوط گرفت تھی کہ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ مجلسِ احرار اسلام ایسی حریت پرور جماعت کا نام ہی سرمایہ پرستوں کے لئے کھلا چیلنج تھا۔ ان جاں سوز حالات میں مجلسِ احرار کے پلیٹ فارم سے مولانا کا اُبھرنا کسی بڑے خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن آپ نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری میں اس راہِ عزیمت میں اپنی جان تک لڑا دی۔

آپ کی دعوت و انتظام کے نتیجے میں ۱، ۲، ۳ جون ۱۹۳۹ء کو ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس پنڈی گھیپ ضلع اٹک میں انعقاد پذیر ہوئی۔ مولانا مظہر علی اظہر اور شاہ جی نے مختلف نشستوں سے خطاب کیا۔ ایک نشست کی صدارت پیر لال بادشاہ آف کھڈ نے کی اور یونینسٹ وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک بھی پیش کی۔

اس کامیابی کے بعد احرار رہنماؤں کی یہاں آمد و رفت میں حائل تمام رکاوٹوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ۲۱ تا ۲۹ جولائی ۱۹۳۹ء کو آپ کے پروگرام کے تحت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ حضرت شاہ جیؒ اور خواجہ عبدالرحیم عاجز امرتسریؒ نے ضلع میانوالی میں پانچ بڑے اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ اور تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ کے سلسلے میں عوامی اذہان کو بیدار کیا۔

۳۰، ۳۱ جولائی ۱۹۳۹ء کو ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس ملہوالی ضلع اٹک اپنے گاؤں میں منعقد کی۔ شاہ جی اور مولانا لدھیانوی نے فوجی بھرتی کے خلاف مہم کو تیز تر کرنے کے لئے اپنی تمام تر شعلہ گفتاری سے کام لیا۔

ان اجتماعات کے انعقاد پذیر ہونے کے ساتھ ہی مولانا گل شیر اس علاقے میں بالخصوص اور ہندوستان بھر میں بالعموم احرار کے مشن کو لے کر اٹھے اور غلامی کی تاریکی میں غرقاب قوم کو لیلائے آزادی سے روشناس کرانے میں دیوانہ وار مصروف ہو گئے۔

مذکورہ بالا اجتماعات کے بعد شاہ جی مولانا کو اپنے ساتھ لاہور لے گئے تھے اور ایک جلسۂ عام میں مولانا کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ!

"آج میں اپنے نال اک ہور جنا لے کے آیا واں"۔

کہ "میں آج اپنے ساتھ ایک اور مردِ نر لے کر آیا ہوں" لفظ "جنا" ان علاقوں میں بہادر شخص کے لئے بولا جاتا ہے۔

شاہ جی اور مولانا کا تعلق ایسا جڑا کہ موت کا عارضی وقفہ ہی انہیں کچھ وقت کے لئے جُدا کر سکا۔

اللہ کریم نے شاہ جی اور مولانا میں بعض مشابہتیں بھی پیدا کر دی تھیں۔ شاہ جی کی کیف آور اور وجد آفریں قرأت نے ایک عالم سے خراجِ وصول کیا تھا۔ یہی حال مولانا کی تلاوت کا بھی تھا۔ شاہ جی نے اس سوال پر کہ "آپ کو کبھی کسی کی تلاوت نے متاثر کیا؟" فرمایا کہ:

"مجھے اپنے ساتھیوں میں سے مولانا گل شیر خان شہید رحمتہ اللہ علیہ کی تلاوتِ کلام الٰہی نے بے حد متاثر کیا۔ مولانا کی تلاوت قرآنِ حکیم سُن کر لوگ بے سُدھ ہو جاتے تھے۔ مجھے آج تک کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں مل سکا جس کی تلاوت اتنی موثر اور کیف آور ہو"۔

یہی صورت تقریر کی تھی۔ شاہ جی اور مولانا کی تقریر میں حیرت انگیز مشابہت نظر آتی تھی۔ جس پر مرکزیہ مجلس احرارِ ہند کو یہ سرکلر جاری کرنا پڑا تھا کہ:

"ماتحت جماعتیں متوجہ ہوں کہ ایک ہی جلسے میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا گل شیر خان کو مدعو نہ کیا جائے"۔

اسی وجہ سے دونوں حضرات کی تقاریر کی مثال ایک مقام پر کم ہی ملتی ہے۔ جس شہر میں مولانا گل شیر تاریخ دے دیتے اور منتظمین شاہ جی کو مدعو کرنا چاہتے تو شاہ جی سختی سے یہ کہہ کر انکار فرما دیتے کہ:

"مولانا گل شیر کے ہوتے ہوئے میری ضرورت نہیں ہے"۔
جو قلبی موانست کا بھی بھرپور اظہار و اعتراف ہوتا تھا۔
۱۹۴۳ء میں آل انڈیا احرار کانفرنس گوجرانوالہ میں شاہ جی اور مولانا اتفاق سے اکٹھے ہو گئے شاہ جی کی صدارت تھی مولانا کی خطابت نے وہ سماں باندھا کہ شاہ جی وجد میں آ گئے اور وارفتگی سے اٹھ کر آپ کا ماتھا چوم لیا۔
۱۹۳۹ء میں شاہ جی پر مشہور زمانہ مقدمۂ بغاوت "لدھارام کیس" قائم کیا گیا لیکن آپ باعزت بری کر دیئے گئے۔ اسی دوران مولانا پر بھی ایسا ہی ایک مقدمہ سکندرِ وزارت نے بنانا چاہا۔ لیکن آپ کے بیانِ صادق نے اُن کی تمام آرزوؤں کو خاک بسر کر دیا۔
جن دنوں شاہ جی مذکورہ مقدمہ میں رہا ہوئے تھے اس دوران سر سکندر حیات کا بیٹا سردار شوکت حیات مصر میں جنرل رومیل کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ سکندر حیات خان بیٹے کی رہائی کے لئے مصر گئے۔ اس واقعہ اور شاہ جی کے مقدمہ کو مولانا نے بڑے خوبصورت پیرائے میں چنیوٹ کے ایک جلسۂ عام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:
"ویکھ میرے مولا دے رنگ تُدھ وزیر دا پتر اسیر تھی گیا تے جنوں توں پھانسی لگوانا چاہندا اسی او ضیاء اللہ شاہ دا پتر عطاء اللہ شاہ رہا تھی گیا۔

چینا لج چھنیندا یار
مولانا مولہ گھم مریندا یار

(میرے اللہ کے رنگ تو دیکھ کہ تم وزیر اعظم (سکندر حیات) کا بیٹا گرفتار ہو گیا لیکن سید ضیاء اللہ شاہ بخاری کا بیٹا سید عطاء اللہ شاہ بخاری جنہیں تم پھانسی لگوانا چاہتے تھے رہا ہو گئے)
سکندر حیات چونکہ جبرجل سے بیٹے کی رہائی کے لئے مصر گئے تھے۔ حج کے ایام قریب تھے۔ وہ حج پر نہ گئے۔ اس پر مولانا نے !انور صابری مرحوم کی یہ رباعی پڑھی تو مجمع تڑپ اٹھا۔

حرم کو بندۂ لات و منات کیا جانے
خدا کے گھر کو سکندر حیات کیا جانے
کسی غریب کی اختر شماریوں کے مزے
نہ جس نے رو کے گزاری ہو رات کیا جانے

مولانا اور شاہ جی میں محبت و الفت کا بھی عجیب ہی سلسلہ تھا۔ ریل و جیل کی صعوبتوں سے ... کبھی فرصت ملتی تو شاہ جی دفترِ احرار لاہور میں شعر و ادب، دین و سیاست کے ساتھ ساتھ بذلہ سنجی اور چٹکلہ بازی کا وہ میدان گرم کرتے کہ الاماں۔ اس محفل میں اگر مولانا تشریف لے آتے تو سب حضرات خصوصاً شاہ جی دیکھتے ہی احتراماً خاموش ہو جاتے۔ لیکن کب تک! شاہ جی تو روتوں کو ہنسانے والے تھے۔ بھلا کیوں کر چپ بیٹھتے۔ کچھ دیر بعد ادھر کوئی دوست بات چھیڑتا ادھر شاہ جی کو پھڑکتا ہوا لطیفہ بر آمد ہوتا اور ٹوٹا ہوا سلسلہ دوبارہ جُڑ جاتا۔ مولانا بھی شریک ہو جاتے اور محفل لوٹ پوٹ ہو جاتی۔
مولانا کے دل میں شاہ جی کی عظمت کا نقش کچھ اس طرح بیٹھ گیا تھا کہ تادمِ واپسیں کسی کے مٹائے نہ مٹ

سکا۔ یہی حال شاہ جی کا تھا۔ وہ جب کبھی ماضی کی یادوں کو کریدتے مولانا کا تذکرہ لازماً آتا۔ اور وہ تادیر مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بنائے رکھتے۔ ان دونوں شخصیتوں میں اُنس و محبت کی جو فضا قائم تھی وہ ہر دو کے خلوص و بے غرضی کی بنیاد پر تھی۔ اس پر ایک ہی مقصد کی لگن اور ایک ہی منزل کی جستجو نے قربتوں کے مزید سامان میسر کر رکھے تھے۔ دو عزیز ترین ساتھی تو شاہ جی نے اپنے پالنہار سے مانگ کر لیے تھے۔ ایک بقول ابو یوسف قاسمی مرحوم کے چودھری افضل حقؒ اور دوسرے بقول مولانا عنایت اللہ چشتیؒ کے مولانا گل شیر خان دونوں احباب سے شاہ جی کا تعلق دیگر رہنماؤں سے الگ نوعیت کا تھا۔ اور ان دونوں کی اچانک رحلت و شہادت نے شاہ جی کی صحت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

برصغیر کے قومی و سیاسی حالات اتنے گھمبیر ہو گئے تھے کہ احرار رہنماؤں کو بھی اتنی ہی شدت سے آزادی کی جنگ کو تیز تر کرنے کے لئے راس کماری سے پشاور تک ہر محاذ پر داد شجاعت دینا پڑ رہی تھی۔ اور انہیں مہینوں بچوں کا منہ دیکھنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا۔

ادھر مولانا گل شیر خان اپنی جان کو لاحق تمام خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلان و اظہار حق کے لئے طویل دوروں میں مصروف تھے۔ آپ نے ۲۶، ۲۷ اگست ۱۹۴۳ء کو دو روزہ حکومت الٰہیہ کانفرنس تلہ گنگ ضلع اٹک میں شرکت فرمائی۔ جناب کپتان غلام محمد صاحب (آف چکڑالہ ضلع میانوالی) کی روایت ہے کہ مولانا نے اس کانفرنس میں فرمایا کہ:

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ پھر میں کبھی تلہ گنگ نہیں آسکوں گا۔ یہاں میری یہ آخری تقریر ہے۔ ہاں میرے بعد شاہ جی یہاں آئیں گے اور تمہیں قرآن سنائیں گے"۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد آپ تلہ گنگ تشریف نہ لاسکے۔ شاہ جی کے بارے میں آپ کا مندرجہ بالا جملہ شاہ جی سے آپ کی سچی محبت کا ترجمان ہے۔

مولانا گل شیر احرار میں شامل ہوتے ہی تحریکی کاموں میں ایسے مصروف ہوئے کہ فراغت کے لمحات بہت ہی کم نصیب ہوئے۔ اب مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاسوں یا مرکزی اجتماعات احرار کے موقع پر ہی شاہ جی سے ملاقات ہوتی۔

۱۹۳۹ء میں احرار نے فوجی بھرتی بائیکاٹ کی تحریک چلا رکھی تھی۔ مولانا نے اس تحریک کو اپنے اضلاع میں اتنے زور و شور سے ہوا دی کہ فرنگی اور فرنگی نواز حلقے بوکھلا گئے۔ مولانا نے فوجی بھرتی میں اتنی مضبوط رکاوٹیں کھڑی کیں کہ انگریز کو یہاں سے جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء) کی نسبت جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء) میں بہت کم فوجی رنگروٹ ہاتھ آئے۔ جس پر جاگیر دار عناصر کے مفادات کو بھی سخت دھچکا لگا اور انگریزی دربار میں اُن کے غلامانہ وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ علاوہ ازیں مولانا نے سینکڑوں مقامات پر مجالس احرار کا قیام عمل میں لایا۔ جس کے نتیجے میں عوام میں آزادی کا شعور جاگا اور وڈیروں کو مظلوم عوام پر سے اپنا دبدبہ و دہشت بکھرتا ہوا نظر آیا۔ اس پر مستزاد مولانا کا کالا باغ سے غریب مکینوں کے شہری و سماجی حلقوں کے تحفظ و بحالی کے لئے آواز اٹھانا تھا جس پر کالا باغ کے رئیس کو اپنا حاکمانہ غرور خاک میں ملتا ہوا دکھائی دیا۔

مولانا گل شیر کے ان اقدامات نے وڈیروں کی نیندیں حرام کر دیں۔ نخوت و تکبر اور ظلم و بہیمت کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ بجائے اس کے کہ مولانا کے کئے گئے عوامی و سماجی کاموں کی قدر کی جاتی۔ عقیدت و محبت بھری نگاہیں ان کے فرشِ راہ کی جاتیں لیکن جبر و تشدد اور سفاکی و درندگی نے بار کب مانی ہے کہ اس سے سر پُرغرور ہر حال ختم کرنا ہی پڑتا ہے۔ انگریز، ہندو اور فرنگی کے چہیتے فرزند نواب امیر محمد خان آف کالا باغ کے شیطانی منصوبے کے تحت بالآخر ۲۳، ۲۴ مئی ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب مولانا کو اپنے گھر میں سوتے میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔

اس دوران شاہ جی سرسہ ضلع حصار (انڈیا) کے دورے پر تھے۔ رات کے جلسے سے پہلے آپ کو اس اہم قومی و دینی حادثہ اور عزیز ساتھی کی اچانک رحلت کی اطلاع ملی۔ اور آپ اس صدمے کے زیرِ اثر بغیر تقریر کئے امرتسر روانہ ہو گئے۔

مولانا کی شہادت کی خبر ملتے ہی مرکزی دفتر احرار لاہور میں پرچم احرار سرنگوں کر دیا گیا اور صدر مرکزیہ احرار نے پنجاب بھر میں ۱۰ جون تا ۱۰ جولائی مولانا کی یاد میں احرار اجتماعات منعقد کرنے کا حکم دے دیا۔

مولانا گل شیر شہید کی جدائی کا صدمہ شاہ جی کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ یہ شاہ جی کے لئے نہ صرف محبوب رفیق کی فرقت کا غم تھا بلکہ انگریزی استعمار کی کمین گاہوں یعنی ان فوجی اضلاع میں جاگیرداری کے خلاف ایک توانا آواز کا خاموش کر دیا جانا شاہ جی کے لئے بار خاطر تھا۔ انگریز کے گماشتوں کی اس سفاکانہ واردات پر شاہ جی شعلۂ جوالہ بنے ہوئے تھے۔ آپ نے ۲ جون ۱۹۴۴ء کو فیصل آباد میں "یومِ گل شیر" سے خطاب کیا اور نواب آف کالا باغ کو مولانا کے قتل کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"اے امیر محمد خان! تو نے ایک مسلمان، حافظ قرآن، اسلام کے مبلغ اور میرے رفیق مولانا گل شیر خان کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھ کر قتل تو کروا دیا لیکن یاد رکھنا تیری قبر بھی تجھ کو پناہ نہ دے گی"۔

شاہ جی کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور نواب کالا باغ اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔ لیکن بظاہر اس کے قاتلوں کی نشاندہی قانون کے ہاتھوں نہ ہو سکی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ آج نواب کی قبر کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ کالا باغ کے نواح میں یہ بات مشہور ہے کہ نواب کی لاش کو دریائے سندھ کی موجوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

و اللہ عزیز ذوانتقام

"اور اللہ ہی زبردست انتقام لینے والا ہے"۔

شاہ جی "یومِ گل شیر" کے سلسلہ میں مولانا کے ضلع اٹک میں تشریف لائے۔ اور ۹ جولائی ۱۹۴۴ء کو تحصیل تلہ گنگ کے گاؤں "لاوہ" میں مسجد باہیاں والی میں خطاب فرمایا۔ شاہ جی کی یہ تقریر اُن کے دلی جذبات، غیرتِ دینی اور حزن و ملال کا اظہار تھی۔ آپ نے شہادت گل شیر کا پس منظر اور پیش منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مولانا گل شیر خاندانِ اسلام کے وہ عظیم بیٹے تھے جنہیں احرار میں شرکت کا حکم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں فرمایا۔ اس سے بڑھ کر ان کے لئے کون سی سعادت و خوش بختی ہو

سکتی تھی۔ وہ آج جس مقامِ اعلیٰ پر فائز ہو چکے ہیں وہ ہماری مدح و توصیف کا محتاج ہی نہیں ہے۔

مولانا گل شیر کا یہی ایک قصور تھا کہ انہوں نے سامراجی غلامی کے گھٹتے ہوئے اس علاقے میں اللہ کی حاکمیت کا پرچم بلند کیا۔ اور فرنگی اور اس کے خواجہ تاشوں کی اندرون خانہ گھناؤنی سازشوں کو بے نقاب کیا لیکن افسوس کہ ملک وملت اور دینِ اسلام کے درد میں ڈوبی ہوئی صدائے گل شیر پر لبیک کہنے کی بجائے خود انہیں ہی راستے ہی ہٹا دیا گیا۔ کتنے بد بخت تھے وہ لوگ! جنہوں نے ان کے خون بے گناہی سے اپنے ہاتھ رنگے اور کیسا خوش قسمت ہے گل شیر! کہ جسے دینِ حق کی خاطر شہادت عظمیٰ نصیب ہوئی۔

ہائے گل شیر! تجھے اپنی آرزوؤں کی معراج مل گئی۔ لیکن شہادت کا جام اپنے تک ہی کیوں رکھا۔ میں نے سنا تھا کہ اعوان بہت سخی ہوتے ہیں لیکن تو تو بخیل نکلا۔ اگر اپنے لئے شہادت کی دعا مانگی تھی تو میرے لئے کیوں نہیں مانگی۔ ہاں! جس جانور میں کوئی نقص ہو وہ قربانی پر نہیں لگتا شاید۔۔۔۔۔ میں ہی اس قابل نہ تھا کہ میرے حصے میں بھی شہادت آتی۔ (یہ کہتے ہی شاہ جی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور سارا مجمع بھی اشکبار ہو گیا۔ طبعیت سنبھلی تو فرمایا)

گل شیر کا قتل معمولی قتل نہیں ہے کہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ گل شیر خان کا خون رنگ لا کر رہے گا۔ پھر تمہاری نوابی اور سرداری بھی تمہارا تحفظ نہیں کر سکے گی۔

گل شیر نے انگریز کو غاصب اور تم جاگیرداروں کو وطن کا غدار کہا اور تمہارے کرتوتوں کا پردہ چاک کیا۔ لو سنو! آج اسی مقام پر جہاں گل شیر نے تمہیں للکارا تھا اور تمہیں قوم و ملک کا بے وفا اور نمک حرام قرار دیا تھا بخاری بھی تمہیں اور تمہارے فرنگی آقا کو ڈنکے کی چوٹ غاصب، لٹیرا، غدار، ٹوڈی، دینِ محمد ﷺ کا دشمن اور امتِ محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا باغی کہتا ہے۔ تم نے جو تعزیر مجھ پر جاری کرنی ہے ابھی کر لو۔ سید حاضر ہے۔

اے فرنگی زادو! تمہاری حیثیت و اہمیت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ فرنگی کی چوکھٹ پر جبہہ سائی اور زلہ ربائی تمہارا کردار رہا ہے۔ تم وہی ہو جنہوں نے کعبۃ اللہ کی مقدس دیواروں اور سید عبد القادر جیلانیؒ کے مزار کو اپنی گولیوں سے چھلنی کیا ہے۔ انگریزی حکومت کو مضبوط کر کے قوم کی عزت و آبرو کو گروی رکھ دیا ہے۔ وقت کے کسی فرعون و ہامان کا رعب و رعونت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہم احرار ایک بات جانتے ہیں کہ حکم بھی اللہ کا ہے اور زمین بھی اللہ کی ہے۔ جب تک آزادی کامل کا سورج طلوع نہیں ہو جاتا احرار کا ہر گل شیر انگریز اور اس کے زر خرید غلاموں کی دسیسہ کاریوں کی راہ میں رکاوٹ بنتا رہے گا۔ چاہے کچھ ہو جائے ہمارا کارواں اسی خلوص اور لگن سے چلتا رہے گا جس طرح مولانا گل شیر نے زندگی کی ہر گھڑی و ساعت کو دعوتِ حق کی خاطر صرف کیا۔"

"آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"

۱۰، ۱۱ جولائی ۱۹۴۴ء کو ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس مسجد عید گاہ تلہ گنگ (ضلع اٹک) تب میں منعقد ہوئی جس کے مہمانِ خصوصی شاہ جی تھے۔ خطبہ استقبالیہ مولانا محمد علی جالندھریؒ نے پیش کیا جبکہ دیگر مقررین میں مولانا مظہر علی

اظہرؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا عبدالرحیم جوہر جہلمیؒ، حافظ عزیز الرحمٰنؒ، جانباز مرزاؒ، مولانا محمد باز گلؒ، غلام محمد ہاشمیؒ، کپتان غلام محمد اور رفیق غلام ربانی شامل تھے۔

شاہ جی جب بھی ان اضلاع میں آئے گل شیر شہیدؒ کو ہمیشہ یاد کیا۔ شاہ جی اور گل شیر خان میں جو دینی رشتہ قائم ہوا تھا وہ اللہ کے فضل سے آج بھی قائم ہے۔ شاہ جی کی نسبی و روحانی اولاد اور ان کی محبوب جماعت مجلس احرار اسلام آج بھی اُس تعلق کو بڑی پامردی و استقامت سے نبھا رہی ہے۔ اور مولانا شہیدؒ کے نام و کام کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ آغا شورش کاشمیریؒ نے مولانا کی شہادت پر خوب لکھا تھا کہ:

"آپ کی شہادت سے اس ویرانہ آباد میں استقامت کا چراغ روشن ہوتے ہی بجھ گیا اور اس قیمتی انسان کے اُٹھ جانے سے ایک ایسی جگہ خالی ہوئی کہ نہ احرار میں اس قسم کا انسان دوبارہ آسکا نہ کیمبلپور کی مٹی ہی سے کوئی ایسا شخص اٹھا"۔

اور یہ تھی بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت کہ مولانا کے بعد اگرچہ مجالسِ احرار نے ان علاقوں میں کام کی رفتار کو کم نہ ہونے دیا لیکن اس کے وہ اثرات ظاہر نہ ہوئے جن کی توقع صرف مولانا سے ہی کی جاسکتی تھی۔ ان کی شہادت کے بعد یہ علاقہ ایسی محرومیوں کی گرداب میں آگیا کہ کوئی مضبوط قیادت اب تک سامنے نہیں آسکی۔

مجلسِ احرارِ اسلام کے سٹیج سے ہی مولانا شہیدؒ کا نام سننے میں آتا رہتا ہے۔ جبکہ دیگر وہ پیشہ ور مولوی اور نام نہاد قومی و سیاسی قائدین جنہوں نے مولانا کے نام پر اپنے جہنم کا ایندھن سمیٹا اور اب تک انہی کے واسطے سے مفادات حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں کبھی یہ توفیق بھی نہ ہوئی کہ وہ گزشتہ اڑتالیس برس میں محض ایک دن ہی مولانا شہیدؒ کی یاد میں کسی کارنر میٹنگ کا اہتمام ہی کرتے لیکن خوش قسمت کہ یہ سعادت صرف مجلسِ احرار اسلام کے ہی حصے میں آئی کہ انہوں نے مولانا کے بعد اُن کے مشن کو زندہ رکھا اور تمام تر تہی دامانیوں کے باوجود صحیح سمت میں کاروان آگے بڑھایا۔ جس کی نشاندہی مولانا کر گئے تھے۔ اور بحمداللہ اسی کا ثمر ہے کہ نصف صدی بیت جانے کے بعد بھی اُن کی یاد زندہ و تابندہ ہے۔

لیکن میرے دل کی انتہاہ گہرائیوں میں ایک آرزو ہے جو برسوں سے ڈیرے ڈالے ہوئے ہے کہ اے کاش! مولانا شہید کے اپنے خاندان میں سے کوئی ایسا رجلِ رشید اٹھ کھڑا ہو جو ان کی محبوب جماعت، جس کے لئے انہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمِ پاک پر اپنی جان کا نذرانہ تک پیش کر دیا تھا۔ کا سرخ پرچم تھام کر میدانِ عمل میں نکل پڑے۔ اور مولانا کی چھوڑی ہوئی دینی و خاندانی وراثت کا امین ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم و آلہ واصحابہ اجمعین۔

وگرنہ مولانا تو آج بھی غالب کی زبان میں کہہ رہے ہیں:

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

اللہ کریم ہمیں شاہ جی اور مولانا گل شیر شہید کے مشن کے ساتھ تادمِ آخریں وفا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمارا حشر و نشر بھی انہی برگزیدہ ہستیوں کے ہمراہ کرے۔ آمین۔